magazine.mohaddis.com

محمد نعمان فاروقی

سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں بحرانوں کا حل

قوموں کی زندگی میں مختلف نوعیت کے چھوٹے بڑے بحران آتے رہتے ہیں۔ زندہ قومیں ان بحرانوں کا عمدہ حل نکالتی ہیں اور ایسے بحرانوں کے اسباب پر غور کرتی ہیں تاکہ ان عوامل کو ختم کر دیا جائے جو قوموں کو بحرانوں میں دھکیلتے ہیں۔ پاکستانی قوم بھی جب کسی بحران کا شکار ہوتی ہے یا کوئی مشکل ٹوٹتی ہے تو یہ کئی ایک اقدامات کرتی ہے۔ لیکن یہاں کیے گئے اقدامات عارضی اور جزوقتی ثابت ہوتے ہیں اور اُس کے بعد قوم کسی اور بڑے حادثے کا شکار ہو جاتی ہے۔ ایک مشکل گزرتی نہیں اور دوسری مصیبت آن پڑتی ہے...!!

آج تک بحرانوں کے حل کے لیے ہم نے جتنی بھی کاوشیں کیں، وہ ہماری انسانی بساط کی آئینہ دار تھیں، اس وجہ سے وہ کوئی مؤثر اور مستقل حل نہ نکال سکیں، اس لیے قوم کے سامنے نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے اس پہلو کو رکھنے کی ضرورت ہے کہ آپ ﷺ نے بحرانوں اور مشکلات کا سامنا کیسے کیا، اور مسلمان قوم کے لیے کیسا اُسوہ اور نمونہ چھوڑا۔

سیرتِ نبوی کا مطالعہ کریں تو آپ ﷺ کو مختلف مشکلات اور بحران گھیرا کیے ہوئے نظر آتے ہیں، مگر آپ ﷺ بڑی حوصلہ مندی اور جرات سے ان بحرانوں سے کامیاب ہو کر نکل جاتے ہیں۔ کبھی میڈیا وار اور کبھی طعن و تشنیع کا گرم بازار، کہیں ظلم و تشدد اور کہیں عزت و ناموس پر حملے، کہیں اَعصابی جنگ اور کہیں اسلحہ کی جنگ، کہیں معاشی مسائل اور کہیں دشمن کی مکاریاں، کہیں حرمِ نبوی پر تہمتیں اور کہیں پہلی اسلامی ریاست کا گھیراؤ، کہیں منافقین کی شکل میں آستین کے سانپ اور کہیں یہود کی شکل میں مکار دشمن... مگر آپ ﷺ ان سب مشکلات پر بڑی حوصلہ مندی سے قابو پاتے جاتے ہیں۔ یہ حکمتِ عملی کیا تھی؟ بس یہی...

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وَروں سے حل نہ ہوا
وہ رازِ اِک کملی والےؐ نے بتلا دیا چند اشاروں میں

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

ذیل میں کچھ بحرانوں اور ان کے نبوی حل کی تفصیل پیش کی جاتی ہے :

باہمی تصادم کا بحران

نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک مشکل مرحلہ یہ آیا کہ آپ کی قوم حجر اسود کی تنصیب میں جھگڑنے کے قریب ہے۔ ممکن ہے کہ قوم کسی بڑے بحران کا شکار ہو جائے، تلواریں نکل آئیں اور اپنوں ہی سے اپنے ہاتھ لہو رنگ ہو جائیں۔ اس مشکل ترین مرحلے میں آپ ﷺ نے ایسا فیصلہ کیا جس پر ساری قوم ہی جھک گئی، اور اسے تسلیم کر لیا۔ وہ فیصلہ یہ تھا کہ ایک بڑی چادر میں حجر اسود رکھا گیا اور تمام قبائل کے نمائندہ افراد سے وہ چادر اُٹھوائی گئی اور پھر آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود نصب کر دیا۔ یہ واقعہ محض نصاب میں شامل کرنے کا نہیں بلکہ ضرورت پڑنے پر عملاً اختیار کرنے کا بھی ہے۔ اب تو زخم خوردہ اور بٹی ہوئی قوم کے مزید بٹوارے کیے جاتے ہیں۔ ایسے فیصلے ہوتے ہیں کہ اپنی ہی قوم کو آتش و آہن میں نہلا دیا جاتا ہے۔ صلح اور مذاکرات ہی بہترین حل ہیں اور جیسا بھی ہو بالآخر تمام خلفشاروں کا حل مذاکرات ہی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ آپ ﷺ قرآنی حکم:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ... ﴾[1]

"یقیناً مؤمن بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو۔"

اور ﴿ وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ... ﴾[2]

"اگر مؤمنوں کی دو جماعتوں میں قتل و غارت ہو جائے تو دونوں میں صلح کرا دیا کرو۔"

کے حکم پر عمل فرماتے تھے۔ ایک روز آپ ﷺ اپنے پیارے نواسے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر لے کر چڑھے اور فرمانے لگے:

«اِبْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَّلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ»[3]

"میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اُمید ہے کہ اللہ عزّوجلّ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کروائے گا۔"

---

۱ سورۃ الحجرات:۱۰
۲ سورۃ الحجرات:۷
۳ صحیح بخاری:۳۶۲۹

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

قیادت اور سرداری کے لائق یقیناً وہی لوگ ہیں جو صلح کروائیں، آج ایسے لوگوں کی کمی ہے۔ اُمّتِ مسلمہ 'مارو اور مر جاؤ' کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ نبی ﷺ کی مذکورہ پیش گوئی پوری ہوتی ہے۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس لشکر کی کمی تھی، نہ قوت میں کم تھے لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کی پیشکش کو اُنہوں نے تسلیم کر لیا اور خلافت سے دستبردار ہو گئے، حالانکہ اس سے پہلے مسلمانوں کی باہمی جنگیں ہو چکی تھیں، اور بہت سی قیمتی جانیں ان جنگوں کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں۔ اُنہوں نے ماضی کی تلخیاں بھلا کر صلح کا اقدام کیا۔ وسیع تر امکانات کے باوجود صلح کر کے سرداری کا یہ شرف حاصل کرنا بڑے عظیم لوگوں کا کام ہے مگر اسے حاصل کرنا بھی بہت جرات و حوصلے کا تقاضا کرتا ہے۔

قومی مجرموں کے ساتھ برتاؤ

نبی ﷺ نے ایسے افراد کے متعلق بھی سخت اقدام کو پسند نہیں کیا جن کے متعلق پورا یقین تھا کہ وہ منافق ہیں، اور مسلمانوں سمیت اسلامی ریاست کو اُن کی وجہ سے خاصا نقصان بھی پہنچ رہا تھا۔ ایک دفعہ عبداللہ بن اُبی منافق نے یہاں تک کہہ دیا کہ "ہم اگر مدینہ واپس جائیں گے تو ہم میں سے عزت والا وہاں کے ذلیل (لوگوں) کو نکال دے گا۔" اس منافق کے یہ الفاظ سن کر سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں اس خبیث کو قتل نہ کر دوں؟ فرمایا:

«لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّهُ كَانَ يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ»[1]

"لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔"

یعنی دیگر اقوام کے ہاں بھی برا تاثر نہ پھیلے۔ کسی قوم کی صلاحیتیں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہوں، اسلحہ کے ڈھیر اپنوں کے خلاف چلتے رہیں، بارود کی بارش اپنوں ہی پر برستی رہے، اور اپنے ہی سپاہی اپنے ہی لوگوں کو تہ تیغ کرتے رہیں تو اس حدیث کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسی قومیں ناقص پالیسیوں کی وجہ سے جگ ہنسائی کا موقع بھی دیتی ہیں اور غلط تاثر بھی دیتی ہیں، اور دشمن تو پہلے ہی یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کا اسلحہ بھی اپنا ہو اور جانیں بھی اپنی ہوں۔

حدیثِ مبارکہ میں یہ درس بھی ہے کہ دوسری اقوام کو کچھ کہنے کا موقع بھی نہیں دینا چاہیے۔ عہدِ

1 صحیح بخاری: ۳۵۱۸

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

نبوت میں میڈیا بھی اتنا تیز نہیں تھا۔ آج کا میڈیا تو اس قدر تیز ہے کہ ہمارے ملک کے لوگ ابھی کسی سانحے سے ناآشنا ہوتے ہیں اور پوری دنیا میں خبر پہلے پھیل چکی ہوتی ہے۔

عبداللہ بن اُبی اور اس کے ہم نواؤں کے جرائم اور ریاست کے خلاف ریشہ دوانیوں کی فہرست بہت لمبی چوڑی تھی۔ مگر ایسا اقدام اُن کے خلاف بھی آپ ﷺ نے مصلحت کے تحت ناروا سمجھا۔ بارگاہِ نبوی سے ایسا کوئی تصور بھی محال تھا کہ بظاہر مسلمانوں ہی کے خلاف اندھا دھند کارروائی کی جائے، اور نہ کبھی مسلمانوں میں ایسا تصور اُبھرا تھا کہ وہ اپنی ہی ریاست کو نقصان پہنچائیں۔ جیسا کہ تبوک سے پیچھے رہنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے غسان کے بادشاہ نے تحریری طور پر رابطہ کیا، تو سیدنا کعبؓ نے اس خط کو قاصد کے سامنے ہی جلا دیا۔ لہٰذا ہمارے لیے رہنمائی ہے کہ نہ تو یہاں کے باسی ریاست کے خلاف کوئی اقدام کریں، اور نہ ہی ریاست اپنے باسیوں کے خلاف انتہائی اقدام کرے۔

باہمی افتراق و انتشار پر کنٹرول

رسولِ اکرم ﷺ نے مسلمانوں میں کبھی باہمی افتراق اور محاذ آرائی کی بو بھی محسوس کی تو اُسے فوراً فرو کیا۔ ایک سفر میں ایک انصاری اور مہاجر صحابی کے مابین شکر رنجی ہو گئی تو انصاری صحابی نے انصار کو اور مہاجر صحابی نے مہاجرین کو مدد کے لیے پکارا۔ یہ سننا تھا کہ آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمانے لگے:

«مَا بَالُ دَعْوَى أَهْلِ الجَاهِلِيَّةِ؟» ”یہ اہل جاہلیت کے سے نعرے کیسے؟“

اس کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا: «مَا شَأْنُهُمْ؟» ”ان کو ہوا کیا ہے...؟“

آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ انصاری کی ٹانگ مہاجر کو لگ گئی تھی، فرمایا: «دَعُوهَا فَإِنَّهَا خَبِيثَةٌ»[1]

”ایسی (متعصبانہ) پکاروں کو چھوڑ دو، یہ بہت ہی ناپاک ہیں۔“

یہ ہیں تعلیماتِ نبویہ مگر ہمارے ہاں میڈیا آگے لگ کر قوم کو ایک دوسرے کے خلاف اُبھارتا ہے۔ ان کے بیانات بڑے کر کے لگاتا ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف پروگرام کرواتا ہے، تعصّب کو

1 صحیح بخاری: ۳۵۱۸

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

ہوا دیتا ہے۔ نہ جانے نبی ﷺ کے یہ الفاظ کہ "ایسے دعووں کو چھوڑ دو" کن کے لیے تھے؟ نامعلوم ریٹنگ، سنسنی خیزی، اور چٹ پٹی مصالحہ دار خبروں کا مغربی نظریۂ ابلاغ محمد عربی ﷺ کے پیروکاروں نے کیوں کر حرزِ جاں بنالیا...؟

آج تو ہر طرف سے متعصبانہ پکاریں ہی سننے کو ملتی ہیں، اور ان کے ذریعے نفرت کی دیواریں کھڑی کرنے اور انتقام کے شعلے بلند کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ جب باہمی انتشار پھیل رہا ہو، اس دوران اس موضوع کو زیر بحث نہیں بنانا چاہیے، اس پر کالم لکھ کر جلتی پر تیل کا کام نہیں کرنا چاہیے بلکہ اُسوۂ نبوی کی روشنی میں اسے چھوڑ دینا چاہیے۔

بائیکاٹ اور پابندیوں کے ذریعے مسلمانوں کو ایذا رسانی اور اس کا حل

مسلمانوں کو مشکلات و مصائب سے دوچار کرنے میں بائیکاٹ سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ ان پر پابندیاں لگائی جاتی ہیں، ان کو حصار میں رکھا جاتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں اُمت کے لیے شعبِ ابی طالب کے واقعے میں بہت واضح راہ نمائی موجود ہے۔

اہل مکہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب، خواہ وہ کافر تھے یا مسلمان، اُنہیں شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا، ان پر پابندی لگ گئی۔ ایسی مشکلات میں صبر اور حوصلے سے مسلمان یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ قریش نے اس بارے میں ایک صحیفہ بھی تیار کیا اور اسے کعبۃ اللہ کے ساتھ لٹکایا۔

اُمت کو انفرادی یا اجتماعی طور پر ایسی صورتِ حال پیش آئے تو اسے اس مشکل کو برداشت کرنا چاہیے۔ اپنوں کے ساتھ ساتھ دوسروں کی ہمدردیاں بھی حاصل کرنی چاہئیں۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کے لوگ، سوائے ابو لہب کے، محصور تھے۔ علاوہ ازیں اس بائیکاٹ کو ختم کرانے والی تحریک کے سرخیل بھی کافر ہی تھے۔ ان میں سرفہرست ہشام بن عمرو بن عامر تھا اور حصار توڑنے میں زہیر بن ابی اُمیہ، مطعم بن عدی، زمعہ بن اسود اور ابو البختری اس کے ساتھ تھے۔

کفار کی چالوں نے آج ہمیں یہاں لا کھڑا کیا ہے کہ ایسے حالات میں ہم اغیار کی کیا اپنے پیاروں کی ہمدردیوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کوئی دوسرا ہماری وکالت یا حمایت کیا کرے!! کیونکہ اُسنے مسلمانوں

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

کو ایک دوسرے کا دشمن بنا کر پیش کیا ہے اور اسی 'دشمن' کا خاتمہ اوّلین فریضے کے طور پر ذہنوں میں بھر دیا ہے، اور اسے ایک اہم و مقدس فریضے کے طور پر اختیار کیا جانے لگا ہے۔ مشکلات اور بحرانوں سے نمٹنے کے لیے قوم کے پاس صبر واستقامت اور ہمت و حوصلے کی وافر مقدار بھی ہونی چاہیے۔

ظلم و تشدد کا مقابلہ

اَعصابی اور معاشی جنگ کے ساتھ ساتھ قریش کا ظلم و ستم بھی کم نہ تھا، اور یہ ظلم غلاموں کے ساتھ ہی نہیں تھا۔ ہر ایک اس ظلم کی چکی میں پس رہا تھا۔ ایسے حالات میں سیّدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ داستانِ خونچکاں آپ ﷺ کو سنانے کے لیے آئے۔ آپ ﷺ اس وقت چادر کا تکیہ بنائے کعبے کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَاللهِ لَيُتِمَّنَّ هٰذَا الأَمْرَ، حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللهَ»[1]

"تم سے پہلے لوگوں کے ساتھ تو اتنا کچھ ہوا کہ وہ ایک آدمی کے لیے گڑھا کھودتے اور اس کو اس میں ڈال کر آرا لاتے اور اس کے سر پر رکھ کر اسے دو حصّوں میں کاٹ دیتے۔ لیکن یہ مشکل بھی اُنہیں ان کے دین سے نہ روک پاتی۔ اسی طرح لوہے کی کنگھیاں لے کر جسم پر پھیری جاتیں اور گوشت تو کیا ہڈیاں اور پٹھے بھی نظر آنے لگتے، اس کے باوجود بھی وہ دین پر قائم رہے۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ ضرور اس معاملے کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا، حتیٰ کہ ایک سوار صنعا سے حضر موت کا بلا خوف و خطر سفر کرے گا، لیکن تم جلدی کرتے ہو۔"

ایسی مشکلات میں مثالیں بیان کر کے حوصلے بلند کرنے اور پہلوں کے مقابلے میں اپنی مشکلات کو ہلکا سمجھنے کا درس دیا جا رہا ہے۔ استقامت، صبر اور حوصلہ ہی ہے جو ظلم و تشدد کے سامنے جھکنے میں حائل

[1] صحیح بخاری: ۳۴۱۶

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

ہو جاتا ہے۔ پھر ان مشکل ترین حالات میں اللہ کی قسم اُٹھا کر یہ فرمانا کہ اللہ اس معاملے کو ضرور انجام تک پہنچائے گا۔ یہ بہت امید افزا پیغام تھا۔ سیّدنا خباب اور دیگر مسلمان جن اذیتوں کو برداشت کر رہے تھے، ایسی صورت میں تو یہ ایک انتہائی مشکل نظر آتا تھا کہ اسکے بعد سکھ بھی ہو گا اور مثالی امن وسکون ہو گا۔ مگر آپ ﷺ نے اُن کی ڈھارس بندھائی اور امن وامان کی یہ صورتِ حال سامنے رکھی کہ ویران علاقوں میں بھی بلاخوف وخطر سفر ہوں گے۔ پھر چشم فلک نے ایسا مثالی امن دیکھ بھی لیا۔

اس حدیث میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ مشکلات جھیلنے کے عادی بنیں۔ مشکل حالات کا سامنا کرنے کی کوشش کریں اور اُمید کے پہلو تلاش کریں، اور بحرانوں سے نمٹنے کے نبوی طریق کار اور حکمتِ عملی پر غور کریں۔ مشکلیں قوموں پر آتی ہیں مگر کئی قومیں مشکلوں کے مقابلے میں ہار جاتی ہیں اور کئی قومیں مشکلوں سے گزر کر زندگی پا لیتی ہیں۔

معاشی بحران اور اُس کا حل

مکہ مکرمہ میں بھی اگرچہ معاشی مشکلات تھیں مگر وہاں کوئی ریاستی ذمہ داری نہ تھی۔ اس لیے گزر بسر ہوتی رہی۔ ہجرت کے بعد اسلامی ریاست کے وجود میں آتے ہی معاشرتی آداب کے بعد پہلا سوال معیشت کے استحکام کا تھا۔ مدینہ منورہ کی ان دنوں جتنی بھی آبادی تھی، وہاں مہاجرین کی آمد سے معیشت کا متاثر ہونا ایک لازمی امر تھا۔ اس معاشی بحران سے نمٹنے کے لیے آپ ﷺ نے واویلا نہیں کیا، امداد کا سوال نہیں کیا بلکہ حسب ذیل اقدامات کیے:

مؤاخات سے معیشت کا حل: اگر تمام مہاجرین کا بوجھ ریاست پر ڈال دیا جاتا تو یقیناً یہ ایک بڑی مشکل تھی۔ اس کا حل آپ ﷺ نے یہ نکالا کہ بھائی بندی کا سلسلہ قائم فرمایا۔ اس سلسلہ اخوّت کی مثال نہ پہلے کبھی سامنے آئی تھی، نہ بعد میں نظر آئی اور نہ ہی ایسا ممکن لگتا ہے۔ اس طرح ریاست کا بوجھ انفرادی طور پر تقسیم ہو گیا، اور انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین کا بھرپور ساتھ دینے لگے۔ مگر مہاجرین بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے والے نہ تھے۔ اُنہوں نے اپنی محنت اور معاشی سرگرمیاں جاری رکھیں اور رفتہ رفتہ معیشت مستحکم ہونے لگی۔

سیّدنا سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے تو عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو نصف مال دینے کی پیشکش کر دی

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

مگر اُنہوں نے برکت کی دعا دے کر اُن سے کہا کہ مجھے بازار کا راستہ دکھائیں پھر اُنہوں نے کاروبار کیا اور شادی بھی کرلی...[1]

اب مؤاخات اس قدر اہمیت اختیار کر گئی کہ مہاجر و انصار ایک دوسرے کے وارث بننے لگے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾[2]

"اور رشتہ دار ہی ایک دوسرے سے زیادہ (وراثت) کا حق رکھتے ہیں۔"[3]

زکاۃ و صدقات سے معاشی استحکام: ۲ ہجری میں زکاۃ فرض ہوئی۔ اسی طرح آپ ﷺ صدقات کے طور پر خرچ کرنے پر اُبھارتے تھے۔ اس سے بھی معیشت کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا موقع میسر آیا۔ دولت محض امیروں تک محدود نہ رہی بلکہ غریبوں، مسکینوں، ناداروں اور بیواؤں میں تقسیم ہونے لگی۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر نہیں ہوئے بلکہ معاشی بوجھ تقسیم ہوتا گیا۔

کاروبار کے سنہرے اُصول: اس دوران آپ ﷺ نے مسلمانوں کو صداقت اور امانت و دیانت کے بنیادی اسباق کے ساتھ ساتھ کاروبار کے گر سکھائے۔ اُصول وضع کیے اور خود جا جا کر ان اُصول و ضوابط کی تنفیذ کا جائزہ لیتے۔ کسی کے ساتھ دھوکہ نہ ہو، کوئی زیادتی کا شکار نہ ہو اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

برکت کی دعا: اس کے ساتھ ساتھ مدینہ منور کے صاع اور مد (وزن کرنے کے پیمانوں) میں برکت کی دعا بھی فرمائی۔ اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مدینہ آنے کے بعد آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَفِيْ مُدِّنَا»[4]

"اے اللہ! ہمارے صاع اور مد میں برکت فرما۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو نمازِ وتر میں پڑھنے کے لیے جو قنوت سکھائی، اس میں یہ الفاظ بھی تھے: «وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ»[5]

---

۱ صحیح بخاری: ۱۹۴۴
۲ سورۃ الانفال: ۷۵
۳ سنن دار قطنی: ۸۶/۴، حدیث: ۶۷
۴ صحیح بخاری: ۱۷۹۰
۵ سنن ابی داؤد: ۱۲۶۳

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

"اور جو تو نے مجھے عطا کیا ہے، اس میں برکت بھی دینا۔"

اس دعا کے ذریعے مسلمانوں کی ایک تربیت کی گئی کہ اللہ ہی عطا کرتا ہے اور ہمیں اسی سے برکت کی دعا کرنی چاہیے، اور جب کوئی مسلمان صدقِ دل سے برکت کی دعا کرے گا تو یقیناً برکت میں رکاوٹ بننے والی خامیوں سے دور رہے گا۔

بعض روایات میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے بازار قائم کرنے کا تذکرہ بھی آیا ہے، تاہم اس مفہوم کی احادیث مستند نہیں ہیں۔[1]

مالِ غنیمت سے معاشی استحکام: جنگوں سے حاصل ہونے والی غنیمتیں بھی اس نوخیز اسلامی ریاست کی معیشت کے استحکام میں بنیادی کردار ادا کر رہی تھیں۔ بدر، خیبر، بحرین اور فتح مکہ و حنین اس کی روشن مثالیں ہیں۔ حدیث میں وضاحت موجود ہے کہ فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو سو وسق سالانہ دیا کرتے تھے۔[2]

نبی کریم ﷺ معاشی استحکام کے لیے جو اقدامات کر رہے تھے، اس سے معاشی استحکام میں بہتری آتی جا رہی تھی۔ حسبِ ذیل روایت اس کی ترجمانی کرتی ہے۔ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"(شروع شروع میں) کسی فوت شدہ مقروض کو (جنازے کے لیے) لایا جاتا تو آپ ﷺ پوچھتے: «هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ فَضْلًا» "کیا اس نے قرض اُتارنے کے لیے کوئی اضافی مال چھوڑا ہے۔"

اگر یہ کہا جاتا کہ اس نے قرض جتنی رقم وغیرہ پیچھے چھوڑی ہے تو اُس کا جنازہ پڑھاتے، بصورتِ دیگر مسلمانوں سے فرما دیتے: «صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ» "اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو۔"

پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات سے ہم کنار کیا تو آپ ﷺ فرماتے:

«أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ»[3]

---

۱ سنن ابن ماجہ: ۲۲۳۳
۲ صحیح بخاری: ۲۲۰۳؛ صحیح مسلم: ۱۵۵۱
۳ صحیح بخاری: ۲۲۹۸؛ صحیح مسلم: ۸۶۷

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

"میں مؤمنوں کا ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں، لہٰذا جو مؤمن فوت ہو اور قرض چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میں اپنے ذمے لیتا ہوں اور جس نے (وراثت میں) کوئی مال وغیرہ چھوڑا تو وہ (میں نہیں لوں گا بلکہ وہ) اس کے ورثا کے لیے ہے۔"

زیر بحث مضمون کے علاوہ مذکورہ حدیث یہ بھی بتاتی ہے کہ جب ملک کی معیشت مستحکم ہو تو عوام کو ریلیف دینا چاہیے، اور ریلیف کی نوعیت بھی بنیادی ضروریات سے متعلق ہو، اور اگر ریلیف کی کوئی صورت کچھ لوگوں سے متعلقہ ہو تو دوسروں کو واویلا اور احتجاج کرنے کی بجائے اسے خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے۔ بہر حال یہ حدیث مدینہ منورہ کی معیشت کے تدریجی استحکام کی واضح دلیل ہے۔

یہی وہ یثرب تھا کہ نبی کریم ﷺ کی ہجرت سے قبل یہود یہاں کی معیشت پر چھائے ہوئے تھے، رسول اکرم ﷺ کی پالیسیوں سے رفتہ رفتہ یہود کی معیشت کمزور ہوتی چلی گئی اور ویسے بھی وہ عہد شکنیوں کے باعث یہاں سے نکال دیے گئے۔ اس عرصے میں کسی مسلمان کے ذہن میں یہ سوال تک نہ آیا کہ یہود جو ہمارے سخت ترین دشمن ہیں وہ کاروبار اور معیشت پر چھائے ہوئے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو استحکام کیسے ملے گا؟ نہ ایسا کوئی سوال پیدا ہوا اور نہ مایوسی کی کیفیت اور نہ یہ کہ ہم کیسے ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ بس ایسا پیارا، نکھرا اور واضح نظام دیا گیا اور اس کا پہیہ گھمانے کے لیے خوفِ الٰہ کا ایسا درس دیا کہ عہدِ خلافتِ راشدہ تک وہ پہیہ تیزی سے کامیابی اور ترقی کی طرف گھومتا ہی چلا گیا۔

قومی سانحات اور اُن کا حل

نبی کریم ﷺ کے عہد میں کچھ تو انفرادی نوعیت کے سانحے پیش آئے مگر یہاں کچھ ایسے سانحات بھی رونما ہوئے جو اجتماعی اور قومی نوعیت کے تھے۔ اگرچہ کفار کی طرف سے جنگیں بپا کرنے کے بہت عظیم سانحات تھے مگر اب ہم کچھ دیگر سانحات پیش کرنا چاہتے ہیں یا پھر جنگِ احزاب کا کچھ تذکرہ جو اپنی نوعیت کا ایک بڑا سانحہ تھا جو اس پہلی اسلامی ریاست کو پیش آیا۔

سانحہ رجیع: نبی کریم ﷺ نے کم و بیش ۷ سے ۱۰ افراد پر مشتمل ایک جاسوسی دستہ سیّدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ فرمایا۔ یہ عسفان کے قریب پہنچے تو ہذیل کے ایک قبیلے بنو لحیان نے ۱۰۰ تیر انداز ان کے تعاقب میں لگا دیے۔ مسلمانوں نے جب پڑاؤ ڈالا تو یہ پہنچ گئے اور اُنہوں نے

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

مسلمانوں کو گھیر لیا اور عہد و پیمان کا جھانسہ دے کر اُنہیں شہید کرنا شروع کر دیا۔ جبکہ سیّدنا خبیب رضی اللہ عنہ اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو اُنہوں نے مکہ جا کر فروخت کر دیا۔ سیّدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو خریدنے والے حارث بن عامر کے بیٹے تھے۔ وہ حارث جسے سیّدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے جنگِ بدر میں جہنم واصل کیا تھا، جبکہ زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن اُمیہ نے اپنے باپ اُمیہ بن خلف کے بدلے میں قتل کرنے کے لیے خرید لیا۔[1]

بئر معونہ کا حادثہ فاجعہ: جس ماہ آپ ﷺ نے رجیع کی طرف مہم جوئی کی، اسی ماہ میں بئر معونہ کا سانحہ بھی پیش آیا۔[2] اس مہم کے دو اسباب تھے: ایک تو یہ کہ رعل، ذکوان، عصیہ اور بنو لحیان کے قبائل نے دشمن کے خلاف آپ ﷺ سے مدد طلب کی۔[3] اور دوسرا سبب یہ تھا کہ کچھ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھیجیں جو ہمیں قرآن و سنت کی تعلیم دیں۔ آپ ﷺ نے انصار کے ۷۰ آدمی روانہ فرمائے، اُنہیں قُرّاء کہا جاتا تھا۔[4]

راستے میں بنی سلیم کے دو قبائل رعل اور ذکوان بئر معونہ کے پاس حائل ہوئے۔ قُرّاء نے ان سے کہا: تم ہمارا ہدف نہیں ہو۔ ہم تو نبی کریم ﷺ کے کسی کام سے یہاں سے گزر رہے ہیں۔ مگر اُنہوں نے ان قُرّاء کو شہید کر دیا۔ اُنہوں نے شہادت کے بعد دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے نبی ﷺ کو ہمارے بارے میں خبر دے دے کہ ہم اپنے ربّ سے مل چکے ہیں۔ ہم اس سے راضی ہیں اور اس نے ہمیں بھی راضی کر دیا ہے۔[5]

ان ۷۰ قراء میں سے ایک صحابی سیّدنا عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ بچ گئے اور قاتل قبیلے کے ایک سردار عامر بن طفیل کی قید میں تھے۔ اس نے اُنہیں اس لیے رہا کر دیا کہ اس کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی۔ ۷۰ قراء میں سے زندہ بچ جانے والے صحابی سیّدنا عمرو بن امیہ ضمری مدینہ منورہ جا رہے ہیں۔ راستے میں اُنہیں بنو عامر (قاتل قبیلے) کے دو افراد ملتے ہیں۔ سیّدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ

---

۱ صحیح بخاری: ۴۰۸۶؛ السیرۃ النبویۃ از ابن ہشام: ۳/ ۲۴۵
۲ السیرۃ النبویۃ از ابن ہشام: ۳/ ۲۶۰
۳ صحیح بخاری: ۴۰۹۰
۴ صحیح مسلم: ۶۷۷، بعد الحدیث: ۱۹۰۲
۵ صحیح بخاری: ۴۴۸۸، ۴۰۹۰

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

اپنے شہید ساتھیوں کا بدلہ لینے کے لیے ان دونوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ انہیں اس قبیلے سے نبی ﷺ کے عہد کا علم نہ تھا۔ جب اُنہوں نے نبی ﷺ کو ان دونوں کے قتل کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ قَتَلْتَ قَتِيلَيْنِ لَأَدِيَنَّهُمَا»[1]

"تم نے دو افراد قتل کیے ہیں، میں ضرور ان کی دیت ادا کروں گا۔"

واقعہ بئر معونہ بہت بڑا سانحہ تھا اور اس سے قبل رجیع بھی انتہائی گہرا زخم تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «فَمَا رَأَيْتُ وَجَدَ عَلَى أَحَدٍ مَا وَجَدَ عَلَيْهِمْ»[2]

"میں نے آپ ﷺ کو ان سے زیادہ کبھی کسی پر غصے میں نہیں دیکھا۔"

رسول ﷺ فرض نمازوں میں رکوع کے بعد مہینہ بھر ان قاتلین کے خلاف دعا کرتے رہے۔[3]

قارئین کرام! اس سے قبل جنگِ اُحد ہو چکی تھی، اس میں بھی ۷۰ صحابہ کرام شہید ہوئے تھے مگر جنگ میں مقابلہ کرتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہونا دیگر شے ہے اور اس طرح دھوکے سے شہید کیا جانا دیگر شے ہے۔ اُحد کا زخم بھی کم نہیں تھا مگر اس سانحے کی نوعیت مختلف تھی، اس لیے اس کے اثرات بھی مختلف تھے۔ ایسے حالات میں بھی نبی ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قاتل قبیلے کے ۲ افراد کی دیت دی، گویا ان کے ایسے افراد کے خون کو جائز نہ سمجھا جو اس واقعے میں شریک نہیں تھے۔

پیش آمدہ سانحات میں اُصول و ضوابط اور قوانین کو مد نظر رکھنا نبی اکرم ﷺ کی اعلیٰ تعلیمات میں سے ہے۔ ہمارے ہاں ایسے سانحات ہو جائیں تو ہم اصل قاتلوں کی بجائے پرانے قیدیوں کو پھانسی دینا شروع کر دیتے ہیں اور مارو یا مر جاؤ کی پالیسی اختیار کر لیتے ہیں۔ آخر اپنے ہی لوگوں کو کب تک مارا جا سکتا ہے؟ غزوۂ بدر سے پہلے کی بات ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے غیر مسلم باسیوں کو اس وقت ایک درس دیا تھا جب وہ اہل مکہ کی دھمکیوں کے نتیجے میں مدینہ کے مسلمانوں پر حملہ بولنے کا ارادہ کر چکے تھے، وہ نبوی الفاظ رہتی دنیا تک انسانوں کو راہ نمائی دیتے رہیں گے۔ وہ الفاظ یہ تھے:

---

۱ دلائل النبوۃ از بیہقی: ۳/ ۴۱۲
۲ صحیح بخاری: ۳۱۷۰
۳ صحیح بخاری: ۱۰۰۱

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

«لَقَدْ بَلَغَ وَعِيْدُ قُرَيْشٍ مِّنْكُمُ الْـمَبَالِغَ، مَاكَانَتْ تَكِيْدُكُمْ بِأَكْثَرَ مِمَّا تُرِيْدُوْنَ أَنْ تَكِيْدُوْ بِهِ أَنْفُسَكُمْ، تُرِيْدُوْنَ اَنْ تُقَاتِلُوْا اَبْنَاءَ كُمْ وَإِخْوَانَكُمْ»[1]

"تم نے قریش کی دھمکیوں کا بہت زیادہ اثر لے لیا ہے، ان کی دھمکیاں اور کارروائیاں تمہارا اتنا نقصان نہیں کریں گی جتنا نقصان تم (یہاں کے مسلمانوں سے) لڑ کر اپنا کر لو گے، تم اپنے ہی (مسلمان) بیٹوں اور بھائیوں سے جنگ چاہتے ہو!!"

جب اُنہوں نے نبی کریم ﷺ کی یہ نصیحت سنی تو سب بکھر گئے۔ اب جو بھی قوم یا ریاست کسی کے اُکسانے پر یا کسی کی دھمکیوں میں آ کر کسی وجہ سے اپنے ہی بیٹوں اور بھائیوں کے خلاف کارروائی کرنا چاہے تو اسے اس نبوی نصیحت سے ضرور فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ کیونکہ اغیار سے جنگ کے اثرات بیرونی زخم اور اپنوں سے لڑنے کے اثرات اندرونی زخم جیسے ہوتے ہیں اور وہ اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے ملک کی ۱۰ سال سے تا حال صورت حال بنی ہوئی ہے، اس سے قبل نہ ہم شہروں میں بیرئیرز دیکھتے تھے، نہ خار دار تاریں، نہ دھماکے سنائی دیتے تھے، نہ خود کش حملے دکھائی دیتے تھے۔ غالباً یہ اسی حدیث سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں! اسلامی ریاست کی تشکیل کے ابتدائی ایام میں ایک بہت بڑا بحران سر اُٹھا رہا تھا۔ ابھی مسلمان صحیح طرح سنبھلے بھی نہ تھے۔ اگر قریش کے مذموم مقاصد میں مدینہ کے کفار بھی اُن کے ساتھ مل جاتے تو یقیناً مسلمان بہت بڑی مشکل میں پڑ جاتے۔ مگر آپ ﷺ کی حکمتِ عملی نے کیسے اس کا نام ونشان تک مٹا دیا۔

قوم کو محض مشکلات میں ڈالنا اور ہمیشہ اسی سے قربانی کی توقع رکھنا درست نہیں۔ قوم کو بحرانوں سے نکالنے، تکالیف سے بچانے اور حتی المقدور جنگ سے دور رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ایسی پالیساں تشکیل دینے والے تو چلے جاتے ہیں، خمیازہ قوم اور اس کی آئندہ نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے، اسی لیے تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی:

«اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ»[2]

---

۱ سنن ابی داود: ۳۰۰۴

۲ صحیح بخاری: ۲۸۰۴

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

"میری اُمت کے کسی بھی معاملے کا جو نگران بنے اور اُن کو مشقت میں ڈالے تو اے اللہ! تو بھی اس پر سختی کر اور میری اُمت میں سے کوئی شخص کسی بھی معاملے کا نگران بنے اور ان پر نرمی کرے تو اے اللہ! تو بھی اس پر نرمی فرما۔"

دیکھیے! ہمارے حکمران اور ذمہ داران نرمی اختیار کرکے نبی ﷺ کی دعا لیتے ہیں یا قوم کو مشکلات میں ڈال کر اپنی مشکلوں میں مزید اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

مدینہ منورہ کے خلاف عالم کفر کا گٹھ جوڑ

نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک میں اجتماعی نوعیت کی جو مشکلات آئیں، ان میں سے ایک مشکل مرحلہ وہ موقع تھا جب قریش کے کفار، غطفان کے قبائل اور مدینہ سے نکالے گئے یہود بنی قینقاع اور نضیر اور یہاں باقی رہ جانے والے یہود بنی قریظہ نے اور منافقین نے مل کر مدینہ منورہ کو اس کے مسلمان باسیوں سمیت نیست ونابود کرنے کا مذموم ارادہ کرلیا تھا۔ قرآن مجید اپنے پیرائے میں اس کی یوں منظر کشی کرتا ہے:

﴿ إِذْ جَاءُوكُمْ مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝١٠ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝١١ ﴾[1]

"جب وہ تمہارے اوپر (کی طرف) سے اور تمہارے نیچے (کی طرف) سے آئے اور جب آنکھیں ٹیڑھی ہو گئیں اور دل باہر نکلنے کو تھے اور تم اللہ سے کئی طرح کے گمان کر رہے تھے اس موقع پر ایمان والے آزمائے گئے اور بہت سخت ہلائے گئے۔"

ایسے پیچیدہ حالات میں نبی کریم ﷺ مشاورت کرکے خندق کھودنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور خندق کھودنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شانہ بشانہ شریک ہیں۔ نبی ﷺ خندق کے موقع پر خندق سے مٹی باہر نکال رہے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کا بطن مبارک غبار آلود نظر آرہا تھا۔ مشکل کی اس گھڑی میں آپ ﷺ بڑے ہشاش بشاش اور اُمید افزا تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مٹی منتقل کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

---

1 سورۃ الاحزاب: ۱۰، ۱۱

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

وَاللهِ لَوْلَا اللهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتْ الْأَقْدَامَ إِنْ لَّاقَيْنَا
إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

''اللہ کی قسم! اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے۔ اے اللہ! ہم پر سکینت نازل فرما اور اگر دشمن سے ہماری مڈھ بھیڑ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ بے شک جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے جب وہ ہمیں کسی فتنے سے دوچار کرنا چاہتے ہیں تو ہم انکار کر دیتے ہیں۔''

جب اَبَیْنَا کے یہ آخری الفاظ آتے تو آپ ﷺ اپنی آواز بلند فرماتے۔[1] یہ اشعار سیّدنا عبد اللہ بن رواحہؓ کے تھے جنہیں آپ ﷺ اپنی فوج کا مورال بلند کرنے کے لیے پڑھ رہے تھے۔

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خندق میں بھوک میں مبتلا اور تھکاوٹ سے چور دیکھا تو دعا کرنے لگے:

اللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشَ الآخِرَة فَاغْفِرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَة

''اے اللہ! جینا تو بس آخرت کا جینا ہے، لہٰذا اے اللہ! انصار و مہاجرین کو معاف فرما دے۔''

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کے ان جذبات کی قدر کرتے ہوئے اشعار ہی میں جواب دے رہے تھے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا أَبَدًا

''ہم وہ ہیں جنہوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے اس بات کی بیعت کی ہوئی ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے جہاد کرتے رہیں گے۔''

یہاں مقصود غزوۂ خندق کی تفصیلات نہیں۔ یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسے مشکل ترین حالات میں جب دشمن چاروں طرف سے گھیرا کرنے کو ہے اور اندر سے آستین کے سانپ بھی ان سے ملے ہوئے ہیں، ایسے حالات میں کیسے عزم اور حوصلے سے تمام اُمور سر انجام پا رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگ بحرانوں سے نمٹ سکتے ہیں۔ ہاں! وہ لوگ جو کسی معمولی سی مشکل آنے پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں

1 صحیح بخاری: ۴۱۰۴

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

مشکلات اُنہیں شکست دے دیتی ہیں ... اور وہ اکثر ناکام ہی رہتے ہیں۔

آپ ﷺ نے مشاورت بھی کی اور اس کے مطابق عمل بھی کیا۔ اپنی حد تک اسباب بھی اختیار کیے، رفقائے گرامی کو حوصلہ بھی دیا اور سب سے بڑھ کر اللہ سے دعا بھی کی۔ اس میں ہمارے لیے بہترین اُسوہ ہے۔ اسی لیے ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾[1] والی آیت بھی غزوۂ احزاب کے تناظر میں اُتری ہے۔ جب مشکلیں گھیرا کیے ہوئے ہوں، اس وقت بھی سنت اور سیرت سے رہنمائی لی جائے۔

الزام تراشی کی مشکل

تہمتوں اور الزامات کے ذریعے تکلیف پہنچانا بھی مخالفوں کی پرانی رِیت ہے۔ کبھی کسی نمایاں شخصیت پر الزام اور کبھی اس سے متعلقہ افراد پر الزام۔ رسولِ اکرم ﷺ کے حرم پر بھی الزامات لگانے سے بدنصیبوں نے دریغ نہ کیا، اور غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر مادرِ اُمت سیّدہ عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگادی گئی۔ یہ کوئی معمولی تہمت نہیں تھی بلکہ نبی کریم ﷺ کی محبوب بیوی پر بہتان طرازی تھی۔ ایک عام غیرت مند انسان بھی اسے برداشت نہیں کرتا۔ نبی کریم ﷺ تو اللہ کے بعد سب سے زیادہ غیرت والے تھے۔ یہ ایک بہت ہی نازک مرحلہ تھا۔ منافقین کے ساتھ بعض صحابہ بھی پروپیگنڈہ کا شکار ہو چکے تھے۔

نازک ترین حالات اور مشکل ترین لمحات ہیں مگر آپ ﷺ کوئی ایسا فیصلہ یا اقدام نہیں فرماتے جو نامناسب ہو۔ سیّدہ عائشہؓ پر الزام لگنے کے قریباً ایک ماہ بعد ان کی براءت سے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ ایسی صورتِ حال میں تو لمحہ لمحہ گزارنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے جو جو اقدامات کیے اور اس میں کیا کیا حکمت تھی، اس کی بابت کچھ نکات پیش کیے جاتے ہیں۔ ان نکات اور اقدامات کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ ہر قسم کے بحرانوں سے نکلنے کے راستے سیرتِ طیبہ ہمیں فراہم کرتی ہے۔

---

1 سورۃ الاحزاب: ۲۱، "یقیناً رسول اللہ (کی زندگی) میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔"

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

نازک ترین صورتِ حال میں آپ ﷺ کا طرزِ عمل اور اقدامات

① معاملے میں جلد بازی نہیں کی بلکہ پورا انتظار کیا یہاں تک کہ معاملہ واضح ہو گیا۔

② اس ہنگامے کے آغاز میں نبی کریم ﷺ نے سیّدہ عائشہؓ سے اس کی بابت کوئی بات بھی نہیں کی اور اپنے معمولات میں فرق نہ آنے دیا۔ بس ایک معمولی سا فرق تھا جسے سیّدہ عائشہؓ جیسی زیرک خاتون ہی سمجھ سکتی ہیں۔ وہ خود کہتی ہیں کہ: پہلے جب کبھی میں بیمار ہوتی تھی تو آپ ﷺ جس لطف و کرم کا معاملہ فرماتے تھے، وہ اب کی بار دیکھنے میں نہیں آیا۔

③ ایک دن نبی کریم ﷺ تشریف لائے سلام کہا اور پوچھنے لگے: تم کیسی ہو؟ سیّدہ عائشہؓ نے میکے جانے کی اجازت طلب کی تو اس موقع پر بھی آپ نے کوئی بات نہ کی بلکہ اُنہیں جانے کی اجازت دے دی۔

④ آپ ﷺ نے اپنے قریبی احباب سے مشاورت کی، ان میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ شامل تھے۔

⑤ آپ ﷺ نے خادمہ سیّدہ بریرہؓ سے بھی اس بارے میں بات کی، اور سوال کا یہ انداز اپنایا:
«هَلْ رَأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يَرِيبُكِ؟» "تم نے شک و شبہے والی کوئی بھی بات دیکھی ہے؟"
وہ کہنے لگیں: "اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں نے کبھی کوئی ایسا معاملہ نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ وہ نو عمر ہیں، آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر کھا جاتی ہے۔"

⑥ اس کے بعد آپ ﷺ نے مشاورت کا دائرہ وسیع کیا اور عمومی طور پر مسلمانوں سے خطاب کیا اور اس میں سیّدہ عائشہؓ کی وکالت کی۔ اس وقت آپ ﷺ منبر پر یہ ارشاد فرما رہے تھے:
«يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! مَنْ يَعْذُرُنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي؟ فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا، وَلَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا، وَمَا كَانَ يَدْخُلُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا مَعِي»[1]
"کون شخص اس سے مجھے انصاف دلائے گا جس کی تکلیف میرے گھر والوں کے حوالے سے

---

1 صحیح بخاری: ۴۷۵۰

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

مجھے پہنچی ہے؟ اللہ کی قسم! میں تو اپنے اہل کی بابت ہمیشہ خیر ہی جانتا ہوں، اور یقیناً جس آدمی کے متعلق وہ باتیں کر رہے ہیں، میں نے اس میں بھی ہمیشہ خیر ہی دیکھی ہے۔ وہ تو میرے گھر میں صرف میرے ساتھ ہی آیا ہے۔''

نبی کریم ﷺ کی اس بات پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

⑦ ایک ماہ بعد آپ ﷺ اپنے سسرال یعنی سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے۔ آپ ﷺ فرمانے لگے:

«يَا عَائِشَةُ فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِيْ عَنْكِ كَذَا وَكَذَا، فَإِنْ كُنْتِ بَرِيْئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللهُ، وَإِنْ كُنْتِ اَلْـمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِى اللهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ»

''عائشہؓ! مجھے تمہارے بارے میں یہ یہ بات سننے کو ملی ہے۔ اگر تو تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں تو اللہ ضرور تمہیں بری قرار دے دے گا اور اگر تم سے ایسا کچھ گناہ ہو گیا ہے تو اللہ سے بخشش مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو۔''

⑧ اس کے بعد آپ ﷺ نے سیّدہ عائشہؓ کے موقف کو بغور سنا۔ اُنہیں ٹوکا نہیں بلکہ انہیں پورے اظہار کا موقع دیا۔ اس موقع پر پہلے تو عائشہؓ نے اپنے والد محترم سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اللہ کے رسول کو جواب دیجئے! وہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کیا بات کروں؟ پھر عائشہؓ نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیں۔ اُنہوں نے بھی یہی بات کی کہ میں آپ ﷺ کو کیا جواب دوں؟

پھر عائشہ صدیقہؓ کہنے لگیں: ''اللہ کی قسم! یقیناً آپ سب نے یہ ایک بات سنی اور وہ آپ کے ذہنوں میں بیٹھ گئی ہے اور آپ نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے۔ تو اب اگر میں کہتی ہوں کہ میرا اس بات سے کوئی تعلق نہیں اور اللہ جانتا ہے کہ اس معاملے میں بالکل صاف ہوں، تو آپ میری تصدیق نہیں کریں گے اور اگر میں آپ کے سامنے کسی بات کا اعتراف کروں، اور اللہ جانتا ہے کہ میں بالکل بری ہوں، تو آپ میری تصدیق کریں گے۔ اللہ کی قسم! میرے سامنے تو بس ابو یوسف (سیّدنا یعقوب علیہ السلام) کی مثال ہے: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝١٨﴾

''بس صبر جمیل ہی ہے اور جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔''

نبی ﷺ یہ سب کچھ سن رہے تھے مگر آپ وحی کے انتظار میں تھے، بالآخر وحی کا نزول ہو ہی گیا۔

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

⑨ جب وحی کا نزول ہو چکا تو نبی کریم ﷺ مسکرا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر پہلی پہلی بات جو کی، وہ یہ تھی: «يَا عَائِشَةُ! أَمَّا اللهُ فَقَدْ بَرَّأَكِ»[1]

"عائشہؓ! اللہ نے تو تمہیں بری قرار دے دیا ہے۔"

سیّدہ عائشہؓ کی براءت کے متعلقہ آیات اُتریں تو آپ ﷺ نے بغیر کسی توقف کے بریکنگ نیوز (اہم ترین خبر) کے طور پر فی الفور یہ خبر اُنہیں سنائی، اور خبر سنانے میں الفاظ کا چناؤ ایسا تھا جیسے آپ خود شدید انتظار میں تھے۔

⑩ اس کے بعد تہمت لگانے والوں کو شرعی سزا دی گئی۔

نبی کریم ﷺ کے حرم اور آپ کے ہم دمِ دیرینہ سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی پر تہمت ایک انفرادی نوعیت کا معاملہ نہ تھا۔ یہ ایک بہت سنگین صورت حال تھی جس کی زد نبی کریم ﷺ پر پڑ رہی تھی، بلکہ ہر ایک مسلمان پر اس کے اثرات پڑ رہے تھے۔ خود عائشہؓ کو اس کا علم اس وقت ہوا جب وہ سیّدہ اُمّ مسطحؓ کے ساتھ چل رہی تھیں، اُنہیں ٹھوکر لگی تو وہ کہنے لگیں: مسطح ہلاک ہو! دوبارہ ایسا ہوا تو اُمّ مسطحؓ نے یہی بات دہرائی۔ سیّدہ عائشہؓ نے ان الفاظ کے بار بار زبان پر آنے کے متعلق پوچھا تو اُنہوں نے اس ہنگامے کی خبر دی۔

جب نبی کریم ﷺ سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کے میکے آئے تو اس وقت ایک انصاری خاتون بھی آئی ہوئی تھیں اور وہ بھی اس صورتِ حال میں زار و قطار رو رہی تھیں۔ قرآن بھی اس صورت حال میں کہہ اٹھا:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾[2]

"اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم جس کام میں مشغول ہو گئے تھے، تمہیں ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔"

غرض! یہ کوئی معمولی یا انفرادی نوعیت کا معاملہ نہ تھا، اس نے تو مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اتنے نازک ترین حالات سے گزرتے ہوئے بھی نبی کریم ﷺ نے کسی جلد بازی سے کام نہ لیا، نہ جھوٹا الزام

---

1 صحیح بخاری: ۴۱۴۱

2 سورۃ النور: ۱۴

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

لگانے والوں کو اُن کا جھوٹ ثابت ہونے سے پہلے سزا دی اور نہ امّ المومنین ؓ کو ڈانٹ ڈپٹ یا سزا کا مستحق ٹھہرایا۔ نہ جدائی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایسے کسی الزام کو برداشت کرنا خصوصاً جب پروپیگنڈہ زور پکڑ رہا ہو اور کسی بڑے اقدام سے گریزاں رہنا کوئی آسان نہیں۔ مگر ایسے حالات میں انتہائی دانش مندی سے حکمت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے گزر جانا بھی آپ ﷺ ہی کا کمال اُسوہ ہے۔

اب جس کسی کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آئے تو اسے جلد بازی سے نہیں بلکہ شرعی تقاضوں کو پورا کر کے ایسا کوئی قدم اُٹھانا چاہیے۔ ہمارے ہاں آئے دن بد چلنی کے شبہے میں قتل جیسے واقعات اور قتل غیرت جیسے سانحات پیش آتے رہتے ہیں، ان میں یہ واقعۂ افک ہمیں روشنی فراہم کرتا ہے۔

واقعہ افک اور چند اہم نکات

⑪ یہ واقعہ قیامت تک پاک باز خواتین کی عظمت و حرمت کا دفاع کرتا رہے گا۔

⑫ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ایسی نوعیت کی یہ ایک عجیب مشکل پیش آئی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشکل ڈالنے والا اور پھر اس مشکل سے نکالنے والا کوئی اور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

⑬ امّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ ؓ کی عظمت اور پاک بازی پر قرآن کا نزول ہوا۔ اب جو شخص اس میں شک کرے، وہ قرآن مجید کی آیات کا انکاری ہو گا۔

⑭ لادین عناصر ایسے حربوں سے بھی دین کی دعوت کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

⑮ سیّدہ عائشہ صدیقہ ؓ کے محترم والدین کریمین سیّدنا ابو بکر صدیق ؓ اور سیّدہ اُم رومان ؓ کے ہاں نبی کریم ﷺ کا کیسا بلند مقام تھا کہ اپنی راج دلاری بیٹی کی محبت میں آ کر اُنہوں نے ایک حرف بھی ایسا نہ بولا جس سے چہرۂ نبوت پر شکن پڑیں بلکہ سیّدہ عائشہ ؓ کے کہنے پر دونوں نے ایک ہی بات کہی کہ ہمارے پاس تو ایسی کوئی بات ہی نہیں کہ ہم آپ ﷺ سے کر سکیں۔

⑯ جو لوگ الزام کا نشانہ بنتے ہیں، انہیں اللہ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ اللہ ایسی مشکلات سے انہیں نکالنے پر قادر ہے۔

⑰ نبی کریم ﷺ غیب کے محض ان اُمور سے آگاہ تھے جن سے بذریعہ وحی آپ کو آگاہ کر دیا جاتا تھا۔ اس موقع پر وحی کے نزول کی اشد ضرورت تھی مگر آپ ﷺ کو مہینہ بھر ایسی سنگین صورتِ

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

حال میں انتظار کرنا پڑا۔ اس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں کہ ایک تو یہ کہ وحی اللہ کی طرف سے آتی تھی اور دوسرا یہ کہ جب اللہ چاہتا تھا آتی تھی، آپ ﷺ کے اپنے اختیار میں نہیں تھی۔

⑱ ایسے مواقع پر چھپی عداوت رکھنے والوں کا پتہ چل جاتا ہے جیسا کہ عبداللہ بن اُبی۔

⑲ انسان بہر حال پروپیگنڈے سے متاثر ہو جاتا ہے جیسا کہ کئی ایک جلیل القدر صحابہ بھی اس کا شکار ہو گئے اور بعد میں انہیں اس پر ندامت ہوئی۔

⑳ یہ ایک آزمائش تھی جس میں اکثر مؤمن تو سرخرو ہوئے مگر کئی ایک کامیاب نہ ٹھہرے۔

مشکلات اور بحرانوں کی مختلف نوعیتیں

گزشتہ صفحات میں بحرانوں اور مشکلات کی مختلف نوعیتیں بیان کی گئی ہیں۔ عمومی طور پر اسی قسم کے بحران افراد اور قوموں کی زندگی میں آتے رہتے ہیں:

① کبھی فرد یا معاشرے کے ساتھ ناانصافی کا بحران آتا ہے۔

② کبھی کسی بات پر لڑائی جھگڑا ایک سنگین صورتِ حال اختیار کر جاتا ہے، اور اس کے اثرات معاشرے میں سرایت کر جاتے ہیں۔

③ کبھی مالی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں اور اقتصادی طور پر فرد یا معاشرہ بحران کا شکار ہو جاتا ہے۔

④ کبھی دشمنی کی بنیاد پر انتقام کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اور کبھی چھپی دشمنی سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔

⑤ کبھی الزام تراشیوں اور پروپیگنڈوں سے مذموم مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اگر ہم جائزہ لیں تو ہماری کوئی بھی انفرادی یا اجتماعی مشکل مذکورہ نوعیتوں سے مختلف نہیں ہوتی، اور ایسی سب مشکلات اور بحرانوں کا حل بتا دیا گیا ہے، اور یہ اللہ کی حکمت اور کامل علم ہی کا نتیجہ ہے کہ جیسے جیسے حالات پیش آسکتے تھے، ان کے متعلق پہلے ہی راہ نمائی فرما دی گئی۔

مذکورہ نوعیت کی مشکلات میں جو قومیں سیرت کی روشنی میں حل تلاش نہیں کرتیں اور ان کی مجلسیں آنسوؤں، احتجاجوں، ریلیوں، دھرنوں، بینروں اور پریس کانفرنسوں تک محدود رہتی ہیں وہ قومیں بڑی عمر نہیں پا سکتیں۔ ان کا ہر نیا سال اُنہیں بڑھاپے کی طرف ہانک رہا ہوتا ہے اور وہ جلد ہی صفحۂ ہستی سے مٹ کر تاریخ کے اوراق میں گم ہو جاتی ہیں۔

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث